ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY



AIOU LIBRARY

Name:

Registration No.:

Course Code: 2960

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: اسلام اور انسانی حقوق (2960) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (بوٹ: 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ اس گائیڈ میں انسانی حقوق سے متعلق موضوعات صرف تعلیمی مطالعے کے طور پر بیان کیے گئے ہیں؛ کسی فرد یا معاملے پر کسی دینی یا قانونی حکم کا اطلاق طلبہ کا کام نہیں، یہ اختیار مستند علماء، اہلِ افتاء اور ریاست کی مجاز عدالتوں اور اداروں کا ہے۔

سوال نمبر 1: مغربی قانون میں حقِ زندگی، آزادی اور انصاف (20 نمبر)

سوال نمبر 1: مغربی قانون کے تحت حقِ زندگی، آزادی اور انصاف کے تصور کی وضاحت کریں اور ان حقوق کی قانونی ضمانتوں کا خلاصہ پیش کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

انسانی حقوق کا مغربی تصور ایک طویل تاریخی ارتقا کا نتیجہ ہے۔ قدیم یونان و روم میں حقوق کا تصور شہریت سے جڑا ہوا تھا اور غلام، عورتیں اور اجنبی اس سے بڑی حد تک محروم تھے۔ قرونِ وسطیٰ میں بادشاہ کے اختیارات کو الٰہی حق سمجھا جاتا تھا، لیکن آہستہ آہستہ یہ خیال مضبوط ہوا کہ انسان محض انسان ہونے کی حیثیت سے کچھ ایسے حقوق رکھتا ہے جو کسی بادشاہ، پارلیمنٹ یا اکثریت کو بھی چھیننے کا اختیار نہیں۔ اسی فکری ارتقا سے حقِ زندگی، آزادی اور انصاف کے وہ تین بنیادی تصورات ابھرے جن پر جدید مغربی آئینی نظام قائم ہے۔ اس جواب میں پہلے ان تینوں حقوق کا مغربی قانون میں مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر ان کے تاریخی دستاویزات کا ذکر ہو گا جنہوں نے انہیں تحریری شکل دی، اور آخر میں ان قانونی ضمانتوں کا خلاصہ پیش کیا جائے گا جن کے ذریعے مغربی ریاستیں ان حقوق کے تحفظ کا دعویٰ کرتی ہیں۔ یہ مطالعہ اگلے سوالات میں بیان ہونے والے اسلامی تصور سے موازنے کی بنیاد بھی فراہم کرتا ہے، اس لیے اسے غیر جانب دارانہ اور علمی انداز میں سمجھنا ضروری ہے۔

حقِ زندگی کا مغربی تصور

مغربی قانون میں حقِ زندگی کو تمام حقوق کی بنیاد مانا جاتا ہے، کیونکہ زندگی ہی نہ رہے تو باقی حقوق بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس حق کا مطلب صرف یہ نہیں کہ کوئی شخص کسی کو قتل نہ کرے، بلکہ یہ بھی ہے کہ ریاست خود بھی کسی شہری کو قانون کے منصفانہ طریقِ کار کے بغیر زندگی سے محروم نہیں کر سکتی۔ امریکی اعلانِ آزادی 1776ء میں زندگی، آزادی اور خوشی کی تلاش کو انسان کے ناقابلِ انتقال حقوق میں شمار کیا گیا۔ انسانی حقوق کے عالمی اعلان 1948ء کی دفعہ 3 میں کہا گیا کہ ہر شخص کو زندگی، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق حاصل ہے، اور شہری و سیاسی حقوق کے بین الاقوامی میثاق 1966ء کی دفعہ 6 میں حقِ زندگی کو انسان کا پیدائشی حق قرار دے کر یہ لازم کیا گیا کہ کسی کو من مانے طور پر زندگی سے محروم نہ کیا جائے۔ جدید مغربی بحث میں اس حق کے دائرے پر اختلاف بھی موجود ہے، مثلاً سزائے موت کی بقایا خاتمے، اسقاطِ حمل اور خودکشی میں معاونت جیسے مسائل پر یورپ اور امریکہ کی مختلف ریاستوں کا موقف ایک جیسا نہیں۔ یورپ کی بیشتر ریاستوں نے سزائے موت ختم کر دی ہے جبکہ امریکہ کی بعض ریاستوں میں یہ اب بھی

موجود ہے۔اس اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی تصور میں حقِ زندگی کی بنیاد انسانی عقل اور اجتماعی اتفاقِ رائے ہے، اس لیے زمانے اور اکثریت کے رجحان کے ساتھ اس کی تعبیر بدلتی رہتی ہے۔

آزادی کا مغربی تصور

آزادی سے مراد مغربی قانون میں یہ ہے کہ فرد اپنی زندگی کے فیصلے خود کرے اور ریاست اس کی ذاتی زندگی میں بلاجواز مداخلت نہ کرے۔ اس میں کئی آزادیاں شامل ہیں: ذاتی آزادی یعنی من مانی گرفتاری اور قید سے تحفظ، نقل و حرکت اور رہائش کی آزادی، اظہارِ رائے اور صحافت کی آزادی، مذہب اور ضمیر کی آزادی، اجتماع اور تنظیم سازی کی آزادی، اور پیشہ و تجارت کی آزادی۔ انگریز مفکر جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب میں اصول پیش کیا کہ فرد کی آزادی پر پابندی صرف اس صورت جائز ہے جب اس کے عمل سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہو۔ مغربی روایت میں آزادی کو عموماً منفی آزادی کے طور پر لیا جاتا ہے، یعنی ریاست کی مداخلت کا نہ ہونا، لیکن فلاحی ریاست کے تصور کے ساتھ مثبت آزادی یعنی تعلیم، صحت اور روزگار کے مواقع کی فراہمی بھی بحث میں شامل ہو گئی ہے۔ آزادی کی حدود بھی مغربی قانون تسلیم کرتا ہے؛ نفرت انگیز تقریر، تشدد پر اکسانا اور دوسروں کے حقوق کی پامالی آزادی کے تحفظ سے باہر سمجھی جاتی ہے۔ تاہم ان حدود کی تعیین ہر ملک میں عدالتوں اور مقننہ کے درمیان جاری بحث کا موضوع رہتی ہے، اور مذہب کی توہین، خاندانی نظام اور اخلاقی اقدار جیسے معاملات میں مغربی آزادی کا تصور اسلامی تصور سے نمایاں طور پر مختلف ہو جاتا ہے، کیونکہ اسلام آزادی کو اخلاقی ذمہ داری اور اللہ کی بندگی کے تابع رکھتا ہے جبکہ جدید مغربی فکر عموماً فرد کی خود مختاری کو آخری معیار مانتی ہے۔

انصاف کا مغربی تصور

مغربی قانون میں انصاف دو بڑے شعبوں میں بیان ہوتا ہے۔ پہلا طریقِ کار کا انصاف ہے، جس کا مطلب ہے کہ ہر شخص کو منصفانہ مقدمے کا حق حاصل ہو: الزام کی اطلاع ملے، وکیل کرنے اور اپنا دفاع پیش کرنے کا موقع ملے، مقدمہ آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلے عام چلے، جرم ثابت ہونے تک ملزم بے گناہ سمجھا جائے اور سزا صرف قانون کے مطابق اور ثبوت کی بنیاد پر دی جائے۔ دوسرا معاشرتی اور تقسیمی انصاف ہے، جس سے مراد وسائل، مواقع اور بوجھ کی منصفانہ تقسیم ہے۔ رومن قانون سے ماخوذ

اصولِ قانون کی حکمرانی اس تصور کی روح ہے، یعنی حکمران بھی قانون سے بالاتر نہیں۔ میگنا کارٹا 1215ء میں انگلستان کے بادشاہ سے یہ منوایا گیا کہ کسی آزاد شخص کو اس کے ہم مرتبہ لوگوں کے فیصلے اور ملکی قانون کے بغیر قید، جلاوطن یا اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ یہی اصول آگے چل کر ہیبیئس کارپس، جیوری کے ذریعے مقدمے اور عدلیہ کی آزادی کی صورت میں پختہ ہوا۔ مغربی انصاف کا ایک اہم پہلو قانون کے سامنے مساوات بھی ہے، یعنی قانون امیر و غریب، حکمران و رعایا سب پر یکساں لاگو ہو، البتہ عملی سطح پر مہنگی قانونی چارہ جوئی اور معاشی ناہمواری کی وجہ سے اس مساوات پر خود مغربی مفکرین تنقید بھی کرتے ہیں۔

جدول 1: تین بنیادی حقوق، ان کا مغربی مفہوم اور اہم دستاویزی حوالے

حق	مغربی مفہوم	اہم دستاویز / اصول
حقِ زندگی	منصفانہ قانونی طریقِ کار کے بغیر زندگی سے محروم کیے جانے کی ممانعت	عالمی اعلان 1948ء دفعہ 3؛ میثاق 1966ء دفعہ 6
آزادی	ذاتی، فکری، مذہبی اور اظہار کی آزادی میں ریاستی مداخلت کی ممانعت	امریکی آئین کی ابتدائی ترامیم؛ عالمی اعلان دفعات 18 تا 20
انصاف	منصفانہ مقدمہ، بے گناہی کا مفروضہ اور قانون کی حکمرانی	میگنا کارٹا 1215ء؛ عالمی اعلان دفعات 10 تا 11

قانونی ضمانتوں کا خلاصہ

مغربی نظام ان حقوق کی ضمانت کئی ذرائع سے دیتا ہے۔ سب سے بڑی ضمانت تحریری آئین ہے، جس میں بنیادی حقوق درج کر کے انہیں عام قانون سے بالاتر درجہ دیا جاتا ہے اور مقننہ بھی ان کے خلاف قانون سازی نہیں کر سکتی۔ دوسری ضمانت عدالتی جائزہ ہے، یعنی اعلیٰ عدالتیں آئین سے متصادم قانون کو کالعدم قرار دے سکتی ہیں، جس کی مشہور

مثال امریکی سپریم کورٹ کی عدالتی نظرِ ثانی کی روایت ہے۔ تیسری ضمانت ہیبیئس کارپس جیسی درخواست ہے، جس کے ذریعے قیدی کو عدالت میں پیش کرنا لازم ہوتا ہے اور غیر قانونی حراست فوراً ختم ہو سکتی ہے۔ چوتھی ضمانت بین الاقوامی نظام ہے: انسانی حقوق کی یورپی عدالت میں فرد اپنی ریاست کے خلاف بھی مقدمہ لے جا سکتا ہے، اور اقوامِ متحدہ کے میثاقوں کی نگرانی کمیٹیاں ریاستوں سے رپورٹیں طلب کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ آزاد صحافت، محتسب کے ادارے، انسانی حقوق کمیشن اور سول سوسائٹی کو بھی غیر رسمی ضمانتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مغربی ضمانتیں ادارہ جاتی طریقِ کار سے متعلق ہیں؛ ان کی کامیابی کا انحصار عدلیہ کی واقعی آزادی، عوامی شعور اور ریاست کی سیاسی روایت پر ہے، اور جہاں یہ کمزور ہوں وہاں تحریری حقوق کے باوجود خلاف ورزیاں [illegible] ممالک میں بھی رپورٹ ہوتی رہتی ہیں۔

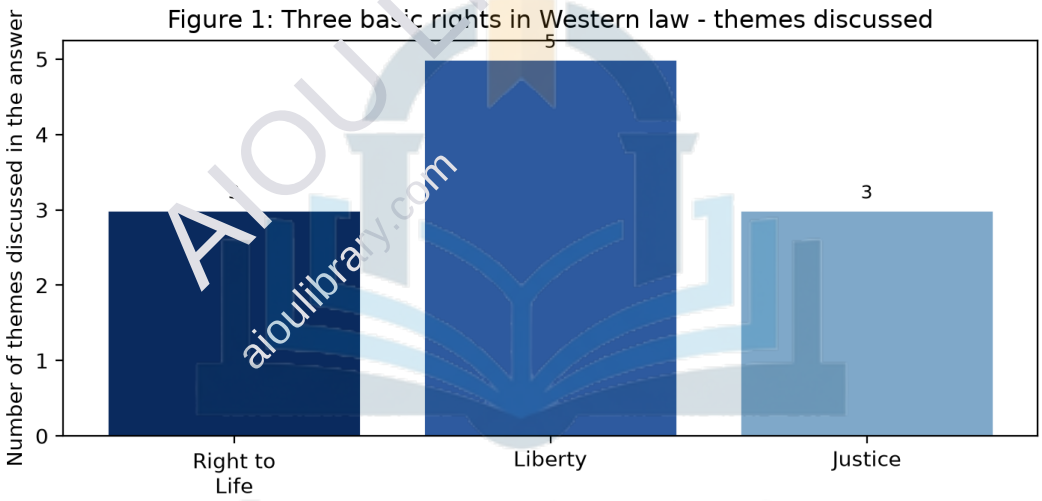


Figure 1: Three basic rights in Western law - themes discussed

شکل 1: مغربی قانون میں تین بنیادی حقوق کے لیے مقررہ نسبتی بحث کا خاکہ (تعلیمی خاکہ، سرکاری اعداد و شمار نہیں)

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ مغربی قانون میں حقِ زندگی تمام حقوق کی بنیاد، آزادی فرد کی خود مختاری کا تحفظ اور انصاف منصفانہ طریقِ کار اور قانون کی حکمرانی کا نام ہے۔ یہ حقوق میگنا کارٹا سے لے کر 1948ء کے عالمی اعلان تک ایک طویل جدوجہد سے تحریری آئینوں اور بین الاقوامی میثاقوں میں درج ہوئے، اور ان کی ضمانت آئینی بالادستی، آزاد عدلیہ، ہیبیئس کارپس اور بین الاقوامی عدالتوں جیسے اداروں سے دی جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا کہ ان تصورات کی بنیاد انسانی عقل اور معاہدہ عمرانی ہے، اس لیے ان کی تعبیر

اور حدود بدلتی رہتی ہیں۔ اگلے سوالات میں جب اسلامی تصور پیش کیا جائے گا تو طالب علم اسی پس منظر میں موازنہ کر سکے گا کہ اسلام ان حقوق کو وحی کی بنیاد پر عطائی اور اٹل قرار دیتا ہے اور انہیں حقوق کے ساتھ فرائض سے بھی جوڑتا ہے۔

سوال نمبر 2: اسلام میں زندگی کے تحفظ کے حق کی بنیاد (20 نمبر)

سوال نمبر 2: اسلام میں زندگی کے تحفظ کے حق کی بنیاد اور اس کی اساسی حیثیت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلام میں انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ امانت اور سب سے قیمتی نعمت ہے، اسی لیے زندگی کے تحفظ کو شریعت کے بڑے مقاصد میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔ علماء نے مقاصدِ شریعت کی ترتیب میں دین کے بعد نفس یعنی جان کے تحفظ کو رکھا ہے، جس کا مطلب ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام براہِ راست یا بالواسطہ انسانی جان کی حفاظت کے گرد گھومتے ہیں۔ مغربی نظام میں حقِ زندگی کی بنیاد انسانی معاہدہ اور فطری حقوق کا فلسفہ ہے، جبکہ اسلام میں اس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ زندگی کا مالک اللہ ہے، انسان اس کا خلیفہ اور امین ہے، اس لیے نہ وہ خود اپنی جان لے سکتا ہے، نہ کسی دوسرے کی جان ناحق لے سکتا ہے اور نہ معاشرہ اسے بے وقعت سمجھ سکتا ہے۔ اس جواب میں قرآن مجید کی واضح آیات اور احادیث کی روشنی میں اس حق کی بنیاد، اس کی اساسی یعنی بنیادی اور ناقابلِ تنسیخ حیثیت، اور اس کے عملی تقاضے بیان کیے جائیں گے۔ یہ بحث خالص تعلیمی ہے؛ قصاص، حدود اور سزاؤں کا اطلاق ریاست کی مجاز عدالتوں کا اختیار ہے، کسی فرد کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں۔

قرآنی بنیاد: ایک جان، ساری انسانیت

قرآن مجید نے زندگی کے تحفظ کو غیر معمولی عظمت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سورۃ المائدہ آیت 32 میں ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے ایک انسان کو قتل کیا، بغیر اس کے کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد پھیلایا ہو، تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا، اور جس نے ایک جان کو زندہ رکھا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔ اس

آیت نے انفرادی جان کی قیمت کو پوری انسانیت کے برابر قرار دے کر قتل کی اخلاقی سنگینی کو آخری درجے تک پہنچا دیا۔ سورۃ الاسراء آیت 33 میں فرمایا گیا کہ اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور سورۃ الانعام آیت 151 میں ناحق قتل کی ممانعت شرک کی ممانعت کے ساتھ ذکر کی گئی، جو اس گناہ کی عظمت ظاہر کرتی ہے۔ سورۃ النساء آیت 93 میں مومن کے عمداً قتل کی سزا جہنم، اللہ کا غضب اور لعنت بیان ہوئی ہے۔ ان آیات سے تین اصول نکلتے ہیں: زندگی اصل میں محترم ہے اور قتل استثنا ہے جو صرف قانون اور عدالت کے ذریعے ثابت شدہ جرم کی صورت میں ممکن ہے؛ جان کی حرمت مذہب، نسل اور حیثیت سے ماورا ہے کیونکہ آیت میں مومن یا مسلم کی قید نہیں بلکہ نفس یعنی انسان کہا گیا ہے؛ اور زندگی بچانا بھی اسی طرح بڑا عمل ہے جیسا قتل بڑا جرم ہے، اسی لیے بچاؤ، علاج اور امداد کو دینی قدر حاصل ہے۔

قصاص، دیت اور قانونی تحفظ کا نظام

اسلام نے زندگی کے تحفظ کو محض نصیحت تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے گرد قانونی نظام بھی قائم کیا۔ سورۃ البقرہ آیت 178 میں قصاص کا قانون دیا گیا اور آیت 179 میں فرمایا گیا کہ قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے، اے عقل والو۔ اس مختصر جملے میں قانونِ قصاص کی حکمت بیان ہے کہ ممکنہ قاتل کو یہ یقین ہو کہ قتل کا بدلہ قانوناً لیا جائے گا تو وہ قتل سے رکے گا، اس طرح ایک سزا بے شمار زندگیوں کی حفاظت بن جاتی ہے۔ ساتھ ہی اسلام نے ورثا کو معاف کرنے اور دیت یعنی مالی معاوضہ قبول کرنے کی ترغیب بھی دی اور معافی کو بہتر عمل قرار دیا، جس سے انتقام کی آگ بجھتی اور صلح کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قصاص نجی انتقام نہیں ہے؛ الزام کا ثبوت، گواہیوں کی جانچ اور فیصلہ آزاد عدالت کرتی ہے، اور سزا کا نفاذ ریاست کرتی ہے۔ دورِ جاہلیت میں قبیلے پورے قبیلے سے بدلہ لیتے تھے، اسلام نے ذمہ داری کو صرف قاتل تک محدود کیا، سورۃ الاسراء میں یہی اصول ہے کہ مقتول کے وارث کو اختیار دیا گیا ہے مگر وہ قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس توازن یعنی سخت باز پرس، معافی کی ترغیب اور عدالتی طریقِ کار نے زندگی کے تحفظ کو اخلاقی، قانونی اور معاشرتی تینوں سطحوں پر محفوظ کیا۔

احادیث اور سیرت میں زندگی کی حرمت

احادیث میں زندگی کی حرمت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے [illegible]، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے، اور یہ اعلان بخاری و مسلم میں روایت ہوا ہے۔ ایک حدیث میں سات ہلاک کرنے والے گناہوں میں شرک کے بعد ناحق قتل کو شمار کیا گیا ہے، [illegible] قتل کی سنگینی کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے جس کے مفہوم کے مطابق قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کے معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں بھی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور عبادت گاہوں میں مشغول لوگوں کے قتل سے منع فرمایا اور زخمیوں اور قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی۔ غیر مسلم شہریوں یعنی ذمیوں کے بارے میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے کہ جس نے کسی معاہد شہری کو ناحق قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ یہ تمام نصوص ثابت کرتی ہیں کہ زندگی کا تحفظ اسلامی تعلیمات میں عبادت کے درجے کی سنجیدگی رکھتا ہے اور اس کا دائرہ مسلمانوں سے آگے بڑھ کر ہر انسان تک پھیلا ہوا ہے۔

جدول 2: زندگی کے تحفظ کے قرآنی اصول اور ان کا تقاضا

اصول	قرآنی حوالہ (مفہوم)	عملی تقاضا
ایک جان = ساری انسانیت	المائدہ: 32	ہر قتل کو پوری انسانیت کے خلاف جرم سمجھنا
ناحق قتل کی حرمت	الاسراء: 33؛ الانعام: 151	قتل صرف عدالتی حق کے ساتھ، ورنہ مطلق ممنوع
عمداً قتل کی وعید	النساء: 93	قاتل کی دنیوی سزا کے ساتھ اخروی باز پرس کا یقین
قصاص میں زندگی	البقرہ: 178 تا 179	بازدار سزا، معافی و دیت کی ترغیب، عدالتی نفاذ
خودکشی کی ممانعت	النساء: 29 کے مفہوم میں اپنے آپ کو قتل نہ کرو	جان امانت ہے؛ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ممنوع

اس حق کی اساسی حیثیت اور اس کا دائرہ

زندگی کے حق کی اساسی حیثیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ حق کسی حکمران کی بخشش نہیں بلکہ پیدائشی اور الٰہی عطا ہے، اسے عام حالات میں معطل یا ختم نہیں کیا جا سکتا اور ریاست کا پہلا فرض اس کی حفاظت ہے۔ اسی اساسی حیثیت کی چند جہتیں قابلِ ذکر ہیں۔ اول، حمل کی حالت میں بچے کی جان کا بھی احترام کیا گیا ہے اور فقہاء نے بلا شرعی عذر اسقاط کو ممنوع قرار دیا ہے۔ دوم، خودکشی کو حرام قرار دے کر یہ واضح کیا گیا کہ انسان اپنی جان کا مالکِ مطلق نہیں۔ سوم، بھوک، بیماری اور خطرے میں زندگی بچانے کے لیے عام ممانعتوں میں رخصت دی گئی، مثلاً جان بچانے کے لیے حرام چیز کے بقدرِ ضرورت استعمال کی اجازت اسی اصول کی دلیل ہے کہ نظامِ شریعت میں جان کی حفاظت شرعی پابندیوں کی تعبیر پر بھی مقدم رہتی ہے۔ چہارم، بیمار، زخمی اور محتاج کی مدد، سڑک سے تکلیف دہ چیز ہٹانا اور حادثے میں مدد کرنا جیسے اعمال کو صدقہ اور ایمان کا حصہ بتا کر زندگی کے تحفظ کو روزمرہ اخلاق بنا دیا گیا۔ پانچم، ماحول اور جانوروں کے ساتھ نرمی کی تعلیم بھی بالواسطہ انسانی زندگی کے تحفظ سے جڑی ہے کیونکہ صحت مند ماحول ہی انسانی بقا کی شرط ہے۔ ان تمام پہلوؤں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں حقِ زندگی محض قانونی شق نہیں بلکہ عقیدہ، عبادت، اخلاق اور قانون میں پیوستہ ایک اساسی قدر ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں زندگی کے تحفظ کی بنیاد اللہ کی ملکیت اور انسان کی امانت داری ہے، قرآن نے ایک جان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا، ناحق قتل کو شرک کے بعد سب سے بڑا جرم بتایا، قصاص و دیت کا عدالتی نظام دے کر اس حق کو عملی ضمانت فراہم کی، اور احادیث و سیرت نے جنگ و امن، مسلم و غیر مسلم ہر حالت میں جان کی حرمت کو نافذ کر کے دکھایا۔ اس حق کی اساسی حیثیت یہ ہے کہ یہ عطائی، عالمگیر اور ناقابلِ تنسیخ ہے اور اس سے صرف قانون اور عدالت کے ذریعے، ثابت شدہ حق کی صورت میں، استثنا ممکن ہے۔ طالب علم کے لیے حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ زندگی کا احترام صرف کسی کو قتل نہ کرنے کا نام نہیں بلکہ ہر اس عمل میں شریک ہونے کا نام ہے جس سے جانیں بچیں، جانیں محفوظ رہیں اور معاشرہ امن کا گہوارہ بنے۔

سوال نمبر 3: احترامِ آدمیت اور انسانی مساوات (20 نمبر)

سوال نمبر 3: اسلام کے تصورِ احترامِ آدمیت اور انسانی مساوات کی وضاحت کریں، نیز قرآن، حدیث اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اس کے عملی مظاہر بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

احترامِ آدمیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان محض انسان ہونے کی وجہ سے عزت و تکریم کا مستحق ہے، خواہ اس کا مذہب، رنگ، نسل، زبان، وطن یا معاشی درجہ کچھ بھی ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ انسانیت طویل عرصے تک اس تصور سے محروم رہی؛ کہیں نسل کو فضیلت کا معیار بنایا گیا، کہیں غلامی کو فطری سمجھا گیا اور کہیں عورت اور کمزور طبقات کو مکمل انسان ہی نہیں مانا گیا۔ اسلام نے اس پس منظر میں یہ انقلابی اعلان کیا کہ تکریمِ انسان کی مشترکہ میراث ہے اور فضیلت کا واحد معیار تقویٰ ہے۔ انسانی مساوات اسی احترام کا عملی پہلو ہے، یعنی قانون، عبادت اور معاشرتی برتاؤ میں انسانوں کے درمیان پیدائشی امتیاز کا خاتمہ۔ اس جواب میں پہلے قرآنی بنیاد، پھر حدیثی تعلیمات، پھر سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی مظاہر بیان کیے جائیں گے، اور آخر میں اس تصور کے آج کے معاشرے کے لیے تقاضے واضح کیے جائیں گے۔ یہ بحث خالص علمی ہے؛ اس سے کسی معاصر سیاسی یا عدالتی معاملے پر حکم لگانا مقصود نہیں، ایسے اطلاق کا اختیار اہلِ علم اور مجاز اداروں کا ہے۔

قرآنی بنیاد: تکریمِ بنی آدم اور وحدتِ اصل

سورۃ الاسراء آیت 70 میں ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی، انہیں خشکی و تری میں سواری دی، پاکیزہ رزق دیا اور بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ یہاں مومن یا کسی قوم کا نہیں بلکہ بنی آدم کا لفظ ہے، جس میں پوری انسانیت شامل ہے۔ سورۃ الحجرات آیت 13 میں مساوات کا دستور بیان ہوا کہ اے انسانو، ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو؛ اللہ کے نزدیک سب سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اس آیت نے نسل، قبیلے اور قوم کی تقسیم کو تعارف کا ذریعہ تو رکھا مگر فضیلت کا معیار بننے سے خارج کر دیا۔ سورۃ النساء آیت 1 بھی

تمام انسانوں کو ایک جان سے پیدا ہونے کی یاد دہانی کراتی ہے اور سورۃ الروم آیت 22 میں زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کو اللہ کی نشانیوں میں شمار کیا گیا ہے، یعنی اختلافِ رنگ وزبان نہ شرمندگی ہے نہ فخر، بلکہ قدرت کی نشانی ہے۔ اسی طرح سورۃ المائدہ کا اصول ہے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف سے نہ ہٹائے۔ ان آیات کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ انسان کی اصل ایک ہے، تکریم سب کا حق ہے اور برتری صرف کردار اور تقویٰ سے ہے۔

حدیثی تعلیمات میں مساوات

احادیث نے اس قرآنی اصول کو انتہائی واضح الفاظ میں بیان کیا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا مفہوم مشہور ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے، جو مسلم میں روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلی عصبیت کو اپنے قدموں تلے روندنے کا اعلان فرمایا اور نسب پر فخر کو جاہلیت کی نشانی قرار دیا۔ حدیث میں ہے کہ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے، یہ روایت مفہوم کے اعتبار سے انسانی ہمدردی کی جامع بنیاد فراہم کرتی ہے۔ غلاموں کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ وہ تمہارے بھائی ہیں، انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، اور ان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ ملازم اور ماتحت کے ساتھ یہ برتاؤ اس دور میں انقلابی تھا جب غلام کو انسان سے کم تر شے سمجھا جاتا تھا۔ ان تعلیمات نے مساوات کو نعرے سے نکال کر کھانے، پہننے، مخاطب کرنے اور سلوک کرنے کے روزمرہ آداب میں ڈھال دیا۔

سیرتِ نبوی کے عملی مظاہر

سیرت میں مساوات کے مظاہر ہر شعبے میں نظر آتے ہیں۔ عبادت میں مسجدِ نبوی میں امیر و غریب، آزاد و غلام ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے؛ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے سابق غلام اور حبشی صحابی کو مؤذن کے منصب پر فائز کرنا اسی مساوات کا اعلان تھا۔ حضرت سلمان فارسی، حضرت صہیب رومی اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم کا اکٹھا ذکر خود بتاتا ہے کہ اسلام کی پہلی جماعت نسل و وطن کی نہیں بلکہ ایمان و کردار کی بنیاد پر بنی۔ قانون کے نفاذ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور واقعے میں فرمایا کہ اگر میری بیٹی

فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا، جب ایک معزز خاندان کی عورت کی سفارش پیش کی گئی تھی؛ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں ہے اور قانون کے سامنے مساوات کی سب سے روشن مثال ہے۔ معاشرتی سلوک میں آپ کمزوروں کے ساتھ بیٹھتے، غلاموں کی دعوت قبول فرماتے، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کو جہاد جیسا ثواب قرار دیتے اور مدینہ کے یہودی شہریوں کے ساتھ معاہدے میں ان کے جان و مال اور مذہبی آزادی کا تحفظ لکھوایا۔ امانت کی واپسی، قیدیوں سے حسنِ سلوک اور دشمن کے جنازے کے احترام میں کھڑے ہونے جیسے واقعات بھی سیرت میں ملتے ہیں۔ ان مظاہر سے ثابت ہوتا ہے کہ احترامِ آدمیت اسلام میں درس کی بات نہیں بلکہ ریاست، عبادت گاہ، بازار اور گھر ہر جگہ نافذ شدہ عمل تھا۔

جدول 3: مساوات کے عملی مظاہر اور ان کا شعبہ

اصول جو ثابت ہوتا ہے	عملی “ثبوت”	شعبہ
عبادت میں درجہ بندی کا خاتمہ	ایک صف میں نماز؛ سابق غلام کا مؤذن ہونا	عبادت
قانون سب کے لیے برابر	معزز خاندان کی سفارش کا رد؛ فاطمہ رضی اللہ عنہا والی مثال	قانون
سماجی رتبہ خدمت و کردار سے ہے	غلاموں کو بھائی قرار دینا؛ کمزوروں کے ساتھ نشست	معاشرت
شہری حقوق میں مذہبی امتیاز نہیں	مدینہ کے معاہدے میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق کا تحفظ	ریاست
تکریم انسان ہونے کی بنیاد پر ہے	دشمن سمیت ہر انسان کے جنازے و عزت کا احترام	اخلاق

اسلامی اور مغربی مساوات کا مختصر تقابل اور آج کا تقاضا

مغربی قانون نے بھی قانون کے سامنے مساوات کو تسلیم کیا ہے، لیکن تاریخی طور پر یہ مساوات عملی شکل اختیار کرنے میں صدیوں لے گئی؛ غلامی کا باضابطہ خاتمہ انیسویں صدی میں ہوا اور بعض مغربی ممالک میں نسلی امتیاز کی قانونی صورتیں بیسویں صدی کے وسط تک موجود رہیں۔ اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے مساوات کو وحی کی بنیاد پر پہلے دن سے عقیدہ بنایا اور اسے عبادت و قانون میں فوراً نافذ کر کے دکھایا، نیز اسے تقویٰ و اخلاق کے معیار سے جوڑ کر مساوات کو روحانی گہرائی بھی دی۔ آج کے معاشرے کے لیے اس تصور کا تقاضا یہ ہے کہ رنگ، زبان، صوبے، برادری اور دولت کی بنیاد پر تعصب ختم کیا جائے، ملازمین اور ماتحتوں سے باعزت سلوک ہو، قانون کے نفاذ میں سفارش اور رشوت کا خاتمہ ہو، اور اختلافِ رائے یا مذہبی اختلاف کے باوجود ہر انسان کی جان، مال اور عزت کا احترام باقی رہے۔ تعلیمی اداروں، دفاتر اور سوشل میڈیا پر دوسروں کی تذلیل، تضحیک اور نفرت انگیز گفتگو اسی احترامِ آدمیت کی خلاف ورزی ہے۔ ایک مسلمان طالب علم کے لیے اس سبق کا عملی مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی گفتگو، رویے اور فیصلوں میں ہر انسان کو پہلے انسان سمجھے اور امتیاز صرف اسی جگہ کرے جہاں اسلام نے کیا ہے، یعنی علم، کردار اور تقویٰ میں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں احترامِ آدمیت کی بنیاد تکریمِ بنی آدم کی قرآنی آیت اور انسانیت کی وحدتِ اصل ہے، مساوات کا معیار نسل و دولت نہیں بلکہ تقویٰ ہے، حدیث نے عربی و عجمی اور گورے و کالے کی فضیلت کی نفی کر کے اسے آخری شکل دی، اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت، قانون، ریاست اور معاشرت میں اس کے عملی مظاہر قائم کر کے دکھائے۔ یہ تصور آج بھی ہر قسم کے نسلی، لسانی اور طبقاتی تعصب کے خاتمے اور ایک پُرامن و منصفانہ معاشرے کی تشکیل کی سب سے مضبوط اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

سوال نمبر 4: اجتماعی مفاد، ہمدردی اور ایثائے حق (20 نمبر)

سوال نمبر 4: اسلامی معاشرت میں اجتماعی مفاد، باہمی ہمدردی اور ایثائے حق کے تصور کو افراد کے معاشرتی حقوق کے تناظر میں واضح کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

اسلامی معاشرت فرد اور اجتماع کے درمیان توازن کا نام ہے۔ مغربی فکر میں کبھی فرد کو اتنی اہمیت دی گئی کہ اجتماع بکھر گیا اور کبھی ریاست و اجتماع کے نام پر فرد کے حقوق قربان کر دیے گئے۔ اسلام نے دونوں انتہاؤں سے بچا کر ایک ایسا معاشرت پیش کی جس میں ہر فرد حق دار بھی ہے اور حق ادا کرنے والا بھی، اجتماعی مفاد اس کے ذاتی مفاد سے جڑا ہوا ہے، اور باہمی ہمدردی قانون کے ساتھ ساتھ اخلاق سے بھی اس نظام کو چلاتی ہے۔ ایتائے حق سے مراد ہر حق دار کو اس کا حق خوشی اور دیانت سے پہنچانا ہے، خواہ وہ حق اللہ کا ہو، والدین کا ہو، رشتہ داروں کا ہو، پڑوسی کا ہو یا عام معاشرے کا۔ اس جواب میں ہم اجتماعی مفاد کا تصور، باہمی ہمدردی کی قرآنی و حدیثی بنیادیں، ایتائے حق کا مفہوم اور پھر ان تینوں کا افراد کے معاشرتی حقوق یعنی تعلیم، صحت، روزی، عزت و تحفظ اور فلاح و بہبود سے تعلق واضح کیا جائے گا۔

اجتماعی مفاد کا اسلامی تصور

اجتماعی مفاد سے مراد وہ بھلائی ہے جو پورے معاشرے کو پہنچے اور جس کے بغیر افراد کی انفرادی بھلائی بھی دیرپا نہ رہ سکے۔ اسلام میں اس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ انسان ایک دوسرے کے محتاج ہیں؛ کوئی فرد تنہا اپنی تمام ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا، اس لیے معاشرہ ایک جسم کی مانند ہے۔ قرآن مجید نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو امت کی پہچان قرار دیا، جس کا مطلب ہے کہ بھلائی کا فروغ اور برائی کی روک تھام اجتماعی ذمہ داری ہے، محض انفرادی پسند نہیں۔ اسی اجتماعی مفاد کے تحت اسلام نے راستوں اور عوامی جگہوں کے حقوق بیان کیے، پانی، چراگاہ اور آگ جیسی بنیادی ضرورتوں میں شرکت کا اصول دیا، شفاخانوں، سرایوں اور اوقاف کے نظام کی ترغیب دی اور زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے دولت کی گردش کو اجتماعی ضرورت بنایا۔ اجتماعی مفاد کی حد بھی اسلام نے مقرر کی ہے: کوئی اجتماعی فائدہ کسی بے گناہ فرد کی جان، مال یا عزت قربان کر کے حاصل نہیں کیا جا سکتا، اور اکثریت کا مفاد ایسے اصولوں سے نہیں ٹکرا سکتا جو شریعت نے قطعی قرار دیے ہیں۔ یوں اسلامی تصور میں اجتماعی مفاد نہ تو فرد پرستی ہے نہ جبر پر مبنی اجتماعیت، بلکہ حقوق و فرائض کا متوازن نظام ہے۔

باہمی ہمدردی کی بنیاد اور مظاہر

باہمی ہمدردی اس نظام کی روح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کی مثال ایک جسم سے دی ہے کہ جب جسم کے ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے، یہ حدیث بخاری و مسلم میں ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ قرآن نے مومنوں کو آپس میں رحم دل اور بھائی بھائی قرار دیا اور سورۃ الحجرات میں ان کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیا۔ ہمدردی کے عملی مظاہر میں مریض کی عیادت، بھوکے کو کھانا کھلانا، مقروض کو مہلت یا قرض معاف کرنا، یتیم کی کفالت، بیوہ و مسکین کی مدد، جنازے میں شرکت، اور مشکل وقت میں دل جوئی شامل ہیں۔ اسلام نے ہمدردی کو مال داروں تک محدود نہیں رکھا؛ مسکراہٹ کو صدقہ، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو ایمان کی شاخ اور اچھی بات کہنے کو بھی صدقہ قرار دیا، تاکہ غریب فرد بھی ہمدردی کے اس نظام میں دینے والا بن سکے۔ اس طرح ہمدردی چند رسمی کاموں کی مہم نہیں بلکہ پوری زندگی میں پھیلی ہوئی ایک مستقل اخلاقی کیفیت بن جاتی ہے۔

ایتائے حق کا مفہوم اور قرآنی حکم

ایتائے حق کا لفظی مطلب حق پہنچانا اور ادا کرنا ہے۔ سورۃ النحل آیت 90 میں ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے اور قرابت داروں کو ان کا حق دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ اس مختصر آیت کو علماء نے معاشرتی عدل کا جامع دستور کہا ہے کیونکہ اس میں حق لینے سے پہلے حق دینے کو مرکز بنایا گیا ہے۔ سورۃ الاسراء میں والدین، قرابت دار، مسکین اور مسافر کو حق دینے کا حکم فضول خرچی کی ممانعت کے ساتھ آیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر حق والے کو اس کا حق دو، اسی سیاق میں بدن کا حق، اہل و عیال کا حق اور مہمان کا حق بیان ہوا۔ حقوق کی یہ ترتیب قابلِ غور ہے: حق اللہ سے شروع ہو کر والدین، خاندان، پڑوس اور معاشرے تک پھیلتی ہے اور ہر دائرے میں دینے والے کا درجہ لینے والے سے افضل رکھا گیا ہے۔ ایتائے حق کی ضد حق تلفی ہے، چاہے وہ مزدور کی اجرت روکنا ہو، وراثت میں بہنوں کا

حصہ دبانا ہو، ملازم سے وعدہ خلافی ہو یا پڑوسی کو تکلیف پہنچانا ہو۔ اسلام نے ان تمام صورتوں کو ظلم قرار دیا اور قیامت کے دن حقوق العباد کی باز پرس کو حقوق اللہ سے زیادہ سخت بتایا کیونکہ ان کی معافی حق دار کی رضا سے مشروط ہے۔

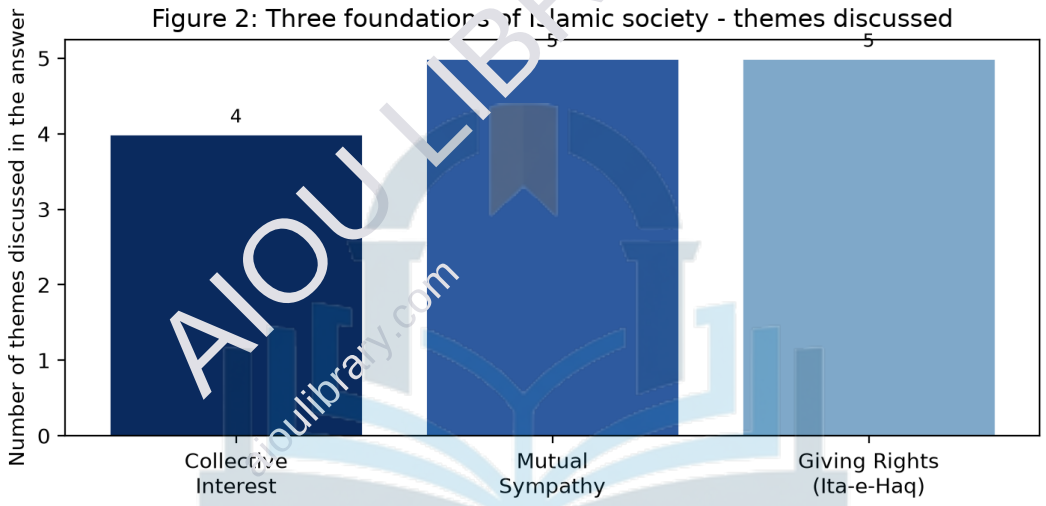
جدول 4: معاشرتی حقوق، ان کی بنیاد اور ادائیگی کی صورت

حق	حق دار	ادائیگی کی عملی صورت
حقِ روزی و کفالت	اہل و عیال، یتیم، مسکین	نفقہ، زکوٰۃ، صدقہ، اوقاف، منصفانہ اجرت
حقِ تعلیم	ہر بچہ و فرد	تعلیم کی سہولت، استاد کا احترام، علم کی اشاعت
حقِ عزت و تحفظ	ہر شہری	غیبت و تہمت سے پرہیز، جان و مال کی حفاظت
حقِ ہمدردی و مدد	بیمار، مقروض، مصیبت زدہ	عیادت، قرض میں مہلت، امداد و دل جوئی
حقِ انصاف	ہر فرد	عدالتی رسائی، گواہی میں سچائی، سفارشِ ظلم سے اجتناب

افراد کے معاشرتی حقوق سے تعلق

جب اجتماعی مفاد، ہمدردی اور ایتائے حق تینوں مل جاتے ہیں تو افراد کے معاشرتی حقوق خود بخود محفوظ ہونے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ و اوقاف کا نظام غربت گھٹا کر حقِ کفالت کو یقینی بناتا ہے؛ علم کی فرضیت اور استاد و کتاب کے احترام کی تعلیم حقِ تعلیم کو فروغ دیتی ہے؛ پڑوس اور محلے کے حقوق مقامی سطح پر تحفظ و امن پیدا کرتے ہیں؛ منصفانہ تجارت، ناپ تول کی درستی اور اجرت کی فوری ادائیگی کے احکام معاشی حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔ احادیث میں مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت دینے کی تلقین اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ دوسری طرف جب ہمدردی ختم ہو جائے تو قانون اکیلا معاشرہ نہیں چلا سکتا، عدالتیں مقدموں سے بھر جاتی ہیں اور ہر حق مقدمہ لڑ کر لینا پڑتا

ہے۔ اسلام اس لیے قانون کے ساتھ ضمیر کی تربیت کرتا ہے تاکہ زیادہ تر حقوق عدالت کے بغیر، گھر، محلے اور ادارے کی سطح پر ادا ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرت میں خاندان، محلہ، مسجد اور پیشہ ورانہ برادریاں حقوق کی ادائیگی کے درمیانی ادارے ہیں، اور ریاست ان کی نگران ہے، ہر چھوٹے معاملے کی واحد ذمہ دار نہیں۔ اس تناظر میں طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنے اردگرد کے حقوق پہچانے: والدین و اساتذہ کا احترام، ساتھیوں کی مدد، صفائی و امن میں تعاون اور کمزور کی حمایت یہ سب اسی سوال کا عملی جواب ہیں۔



شکل 2: اسلامی معاشرت میں اجتماعیت کی تین بنیادوں کا خاکہ (تعلیمی خاکہ)

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی معاشرت میں اجتماعی مفاد فرد کی نفی نہیں بلکہ اس کی تکمیل ہے، باہمی ہمدردی اس مفاد کو اخلاقی حرارت دیتی ہے اور ایتائے حق اسے عملی شکل دیتا ہے کہ ہر حق دار کو اس کا حق بغیر مانگے اور بغیر مقدمے کے مل جائے۔ قرآن کے عدل و احسان کے حکم، جسمِ واحد والی حدیث اور حقوق کی مرحلہ وار ترتیب نے اس تصور کو مکمل نظام بنا دیا ہے۔ افراد کے معاشرتی حقوق اسی وقت محفوظ رہتے ہیں جب معاشرے کے لوگ اپنے حقوق گننے سے پہلے اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق گننے کی عادت اپنائیں، اور یہی اس سوال کا مرکزی سبق ہے۔

سوال نمبر 5: اسلام میں ہمسائے کے حقوق (20 نمبر)

سوال نمبر 5: اسلام میں ہمسائے کے حقوق کی وضاحت کریں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی اہمیت بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

ہمسایہ انسان کا قریب ترین معاشرتی ساتھی ہوتا ہے۔ رشتہ دار دور ہو سکتے ہیں، دوست منتخب کیے جا سکتے ہیں، مگر ہمسایہ وہ ہے جس کے ساتھ روزانہ کا سامنا، آواز، ضرورت اور مصیبت مشترک ہوتی ہے۔ اسی قربت کی وجہ سے ہر مہذب نظام نے پڑوس کے آداب بیان کیے ہیں، لیکن اسلام نے ہمسائے کے حقوق کو عبادت اور ایمان کے ساتھ اس مضبوطی سے جوڑا ہے کہ اس کی مثال کم ملتی ہے۔ یہاں تک کہ حدیث میں آتا ہے کہ جبریل علیہ السلام ہمسائے کے بارے میں مسلسل وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ گمان ہوا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ اس جواب میں ہمسائے کی تعریف اور اقسام، قرآنی حکم، حدیثی تاکیدیں، ہمسائے کے حقوق کی تفصیل اور ان حقوق کی معاشرتی اہمیت بیان کی جائے گی۔ طالب علم کے لیے یہ موضوع محض امتحانی سوال نہیں بلکہ اس کی اپنی گلی، محلے، ہاسٹل اور دفتر کی زندگی کا آئینہ ہے، اس لیے جواب میں عملی پہلوؤں پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ہمسائے کا حکم

سورۃ النساء آیت 36 میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور شرک سے اجتناب کے حکم کے فوراً بعد والدین، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ ساتھ دو قسم کے ہمسایوں کا ذکر فرمایا: قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ، اور ان سب کے ساتھ احسان کا حکم دیا۔ مفسرین نے قریبی ہمسائے سے مراد وہ پڑوسی لیا ہے جو رشتہ دار بھی ہو یا جس کا گھر بالکل قریب ہو، اور اجنبی ہمسائے سے مراد وہ پڑوسی لیا ہے جو رشتہ دار نہ ہو، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور چاہے دور کا رہنے والا ہو۔ اس تقسیم کا سبق یہ ہے کہ ہمسائیگی کا حق صرف مذہب یا رشتے کی بنیاد پر نہیں بلکہ قربتِ مکان کی بنیاد پر بھی ثابت ہوتا ہے۔ اسی آیت کے آخر میں تکبر اور فخر کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے، گویا ہمسائے سے حسنِ سلوک کی ضد غرور ہے۔ قرآن کی اس ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمسائے کا حق حقوق العباد کی فہرست میں والدین اور یتیموں کے قریب درجہ رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ شور و تکلیف

سے بچنے، راستے کے حقوق اور ایذا رسانی کی ممانعت سے متعلق قرآنی اصول بھی ہمسائیگی پر لاگو ہوتے ہیں، کیونکہ ہمسایہ ہی وہ پہلا شخص ہے جو کسی گھر کے شور، دھوئیں، کوڑے اور پانی کے بہاؤ سے متاثر ہوتا ہے۔

احادیث میں ہمسائے کی اہمیت

احادیث میں ہمسائے کے بارے میں غیر معمولی تاکید ملتی ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ پہنچائے، اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ ہمسائے کی عزت کرے۔ ایک اور مشہور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا کہ وہ مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کی شر انگیزیوں سے محفوظ نہ ہو۔ اس سے بڑی تاکید کیا ہو سکتی ہے کہ ہمسائے کو تکلیف نہ پہنچانے کو ایمان کی علامت اور تکلیف پہنچانے کو ایمان کی نفی سے جوڑ دیا گیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو آپ نے وصیت فرمائی کہ جب شوربہ پکاؤ تو پانی زیادہ رکھو اور اپنے ہمسایوں کا خیال رکھو، جو مسلم میں روایت ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ کوئی مومن عورت اپنی ہمسایہ عورت کے لیے بکری کے کھر جیسی معمولی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھے، یعنی چھوٹا تحفہ بھی تعلق بناتا ہے۔ بیمار ہمسائے کی عیادت، اس کے جنازے میں شرکت، اس کی خوشی میں مبارک باد اور غم میں تعزیت کو بھی سنت کے عمومی احکام میں شامل کیا گیا ہے۔ ان احادیث کا مجموعی لہجہ یہ ہے کہ ہمسائیگی ایک اخلاقی رشتہ ہے جسے کھانا بھیجنے جیسے چھوٹے عمل سے لے کر جان و مال کے تحفظ جیسے بڑے عمل تک ہر سطح پر نبھایا جاتا ہے۔

جدول 5: ہمسائے کے حقوق اور ان کی عملی صورتیں

ماخذ اصول	عملی صورت	حق
ہمسایہ شر سے محفوظ رہے والی حدیث	شور، کوڑا، پانی، پارکنگ اور نظر کی ایذا سے بچنا	تکلیف نہ پہنچانا
عیادت و امداد کے عمومی احکام	ضرورت میں مدد، قرض، بیماری میں عیادت	خیر خواہی و مدد
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو وصیت	شوربے میں پانی زیادہ رکھنا؛ تحفہ بھیجنا	کھانے پینے میں شرکت

مسلمان کی عزت کی حرمت	راز کی حفاظت، پردے کا احترام، غیبت سے پرہیز	عزت و پردہ کا تحفظ
معاشرتی امن کا قرآنی اصول	جان، مال و گھر کی نگرانی میں تعاون	امن و سلامتی

ہمسائے کے حقوق کی تفصیل

فقہاء و محدثین نے نصوص کو جمع کر کے ہمسائے کے حقوق کی جو فہرست بیان کی ہے اس کے اہم نکات یہ ہیں۔ اول، ہمسائے کو کسی قول یا فعل سے تکلیف نہ پہنچائی جائے؛ اس میں اونچی آواز، تعمیر میں اس کی روشنی و ہوا بند کرنا، اس کے دروازے کے سامنے رکاوٹ کھڑی کرنا اور اس کی دیوار یا جگہ کا ناجائز استعمال شامل ہے۔ دوم، اس کی عزت و ناموس اور راز کی حفاظت کی جائے اور اس کے گھر کی طرف جھانکنے سے بچا جائے۔ سوم، بیماری میں عیادت، مصیبت میں تعزیت و مدد اور خوشی میں مبارک باد دی جائے۔ چہارم، قرض یا عاریتاً چیز کی ضرورت ہو تو حسبِ استطاعت تعاون کیا جائے اور اگر ہمسایہ بھوکا ہو تو خود پیٹ بھر کر سونا اخلاقی جرم سمجھا جائے، اسی مفہوم کی روایات میں سخت تنبیہ آئی ہے۔ پنجم، خرید و فروخت میں ہمسائے کی ترجیح کا لحاظ رکھا جائے؛ فقہ میں شفعہ کا حق بھی اسی قربت کی بنیاد پر ہمسائے یا شریک کو دیا گیا ہے کہ جائیداد پہلے اسے پیش کی جائے۔ ششم، غیر مسلم ہمسائے کے حقوق بھی اسی طرح ہیں؛ سیرت میں یہودی ہمسایوں سے حسنِ سلوک اور ان کی عیادت کے واقعات ملتے ہیں، کیونکہ آیتِ نساء میں ہمسائے کے حق کو مذہب کی قید سے آزاد رکھا گیا ہے۔ یہ تفصیل دکھاتی ہے کہ اسلام کا ہمسایہ محض برابر والا مکین نہیں بلکہ حقوق کے ایک مکمل نظام کا فریق ہے۔

ہمسائے کے حقوق کی معاشرتی اہمیت

ہمسائے کے حقوق کی اہمیت اس وقت واضح ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرتی امن کی پہلی اکائی محلہ ہوتا ہے۔ جہاں ہمسائے ایک دوسرے کے مددگار ہوں وہاں چوری، حادثے اور بیماری میں فوری مدد ملتی ہے، بچے محفوظ ماحول میں پلتے ہیں اور تنازعات بات چیت سے حل ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جہاں پڑوس میں بے اعتمادی ہو وہاں چھوٹی چھوٹی باتیں مقدموں، دشمنیوں اور کبھی کبھی قتل و غارت تک جا پہنچتی ہیں؛ ہماری عدالتوں اور تھانوں کے اکثر تنازعات دیوار، نالی، راستے اور شور جیسے ہمسائیگی کے معاملات ہی ہوتے ہیں۔ اسلام نے ان حقوق کو ایمان سے جوڑ کر قانون سے پہلے ضمیر کو جگایا، تاکہ تنازع پیدا ہی نہ ہو۔ جدید شہری زندگی میں ہمسائیگی اپارٹمنٹ، ہاسٹل اور دفتر تک وسیع ہو

گئی ہے؛ مشترکہ دیوار، لفٹ، پارکنگ اور شور کے آداب اب انہی اصولوں کی نئی صورتیں ہیں۔ طالب علم کے لیے عملی پیغام یہ ہے کہ وہ جہاں رہے، اپنے برابر والوں کے لیے آسانی کا سبب بنے، تکلیف کا نہیں، کیونکہ حدیث کے مطابق بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے لیے سب سے بہتر ہو۔ اسی رویے سے محلہ امن کا گہوارہ اور معاشرہ باہمی اعتماد کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں ہمسائے کا حق سورۃ النساء کے صریح حکم سے ثابت ہے، جس میں قریبی اور اجنبی دونوں ہمسایوں کے ساتھ احسان لازم کیا گیا ہے، احادیث نے اس حق کو ایمان کی علامت قرار دیا اور جبریل علیہ السلام کی مسلسل وصیت نے اس کی عظمت کو نمایاں کیا۔ ہمسائے کے حقوق تکلیف نہ پہنچانے سے لے کر مدد، عیادت، تحفے، عزت کے تحفظ اور خرید میں ترجیح تک پھیلے ہوئے ہیں اور ان کا دائرہ مسلم و غیر مسلم دونوں کو شامل ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی محلے کے امن، معاشرتی اعتماد اور فرد کی اخروی کامیابی تینوں کی ضمانت ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے حقوق العباد میں نمایاں مقام حاصل ہے۔